سلسلہ رسائلِ درسِ سیرت، رسالہ نمبر:13

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے

کے مبارک اوصاف

مرتب: علامہ راشد علی عطاری مدنی
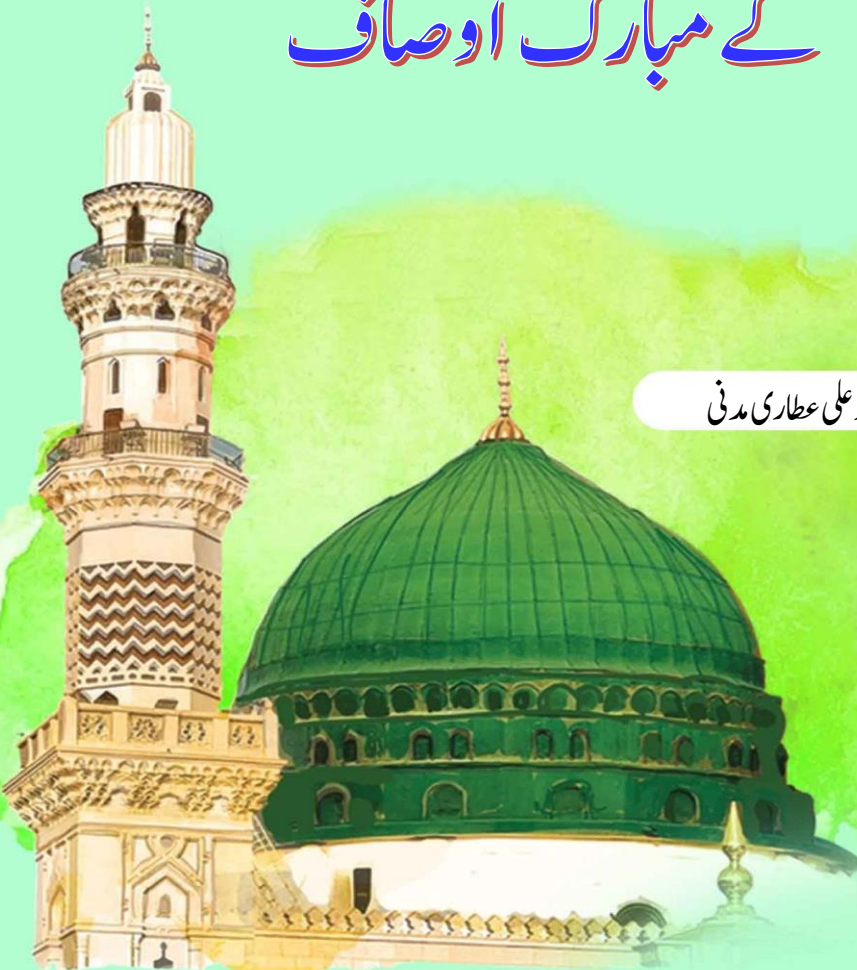
ھادی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، انٹرنیشنل

درسِ سیرت کے رسائل کا تیرھواں عنوان

مرتب

مولانا ابو النّور راشد علی عطاری مدنی

پیشکش: ھادی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، انٹرنیشنل

کتاب پڑھنے کی دُعا

دینی کتاب یا اسلامی سبق پڑھنے سے پہلے ذیل میں دی ہوئی دُعا پڑھ لیجئے اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ جو کچھ پڑھیں گے یاد رہے گا۔ دُعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا حِكْمَتَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام

(مُستَطرَف، ج۱، ص۴۰، دار الفکر بیروت)

(اوّل آخر ایک بار دُرُود شریف پڑھ لیجئے)

نام کتاب : رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک اوصاف

مرتب : مولانا ابو النّور راشد علی عطاری مدنی

صفحات : 55

اشاعت اوّل: ستمبر 2023 (ویب ایڈیشن)

پیشکش : ھادی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، انٹرنیشنل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اوصاف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

نوٹ: یہ درس انٹرنیٹ کی مدد سے تیار کیا گیا۔

خالق کائنات نے انسان کو خلاصہ کائنات بنایا،

اسے خوبصورت ترین جسم اور بہترین پیرہن سے نوازا، عقل و شعور کی دولت بخشی، غور و فکر کی صلاحیت عطا کی،

احساسات و جذبات کا سرمایہ دیا اور دنیا کی تمام چیزوں پر دسترس حاصل کرنے کی قوت دی اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار عنایت کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اخلاق و کردار اور عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔

اور خیر و شر کی تمیز کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ علم کے ساتھ اس کا عملی نمونہ بھی لوگوں کے سامنے رہے

اور سب سے آخر میں رہتی دنیا تک کے لیے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مبعوث فرمایا جو پوری کائنات کے لیے پیکر رحم و کرم بنا کر بھیجے گئے۔ چنانچہ تمام جہانوں کے رحمان ورحیم، رب کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے

اور جن کے متعلق خود اس نے گواہی دی کہ

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۴)

تم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔

نیز ارشاد فرمایا کہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول (ف۳۰۷) جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان (ف۳۰۸)

رحم و کرم کی متعدد شکلیں اور مختلف درجے ہیں۔

پیاسے کو پانی پلانا، بھوکے کو کھانا کھلانا، بے لباسوں کو کپڑا پہنانا، مہمان نوازی کرنا، ٹھنڈک میں غریبوں کے لیے گرم کپڑے اور لحاف کا نظم کرنا، اجنبی مسافر کو راستہ بتانا، ناداروں اور کمزوروں کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنا، بچوں، ضعیفوں، غلاموں اور ماتحتوں پر ترس کھانا، جانوروں کے ساتھ

اچھا برتاؤ کرنا، مصیبت اور حادثات میں لوگوں کی مدد کرنا، ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونا۔ یہ سب رحم کی صورتیں ہیں، اور اسی جذبے کے تحت والدین اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں، اور ڈوبنے یا جل کر مرنے والوں کو اپنی جان پر کھیل کر لوگ بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن یہ سب رحمت کی ظاہری شکلیں ہیں، حقیقی رحمت یہ ہے کہ انسانیت کو ہلاکت و تباہی کے جہنم میں گرنے سے بچالیا جائے، اور زخمی روح کی شفایابی کی کوشش کی جائے، اور اسے اخلاق و کردار کا پیکر بنا کر دنیا اور آخرت کی سعادت سے ہمکنار کیا جائے۔ اللہ کے رسول کی زندگی اور تعلیمات میں رحمت کی یہ دونوں شکلیں بہت نمایاں ہیں۔

آپ کی تعلیمات کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا،

آپ کی پوری زندگی قول و فعل کے تضاد سے خالی تھی،

آپ کی زندگی اللہ کی رضا سے عبارت تھی۔

عبادت، معاشرت، اخلاق، معاملات، محبت و نفرت، ہر چیز اللہ کی رضا کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی،

جس طرح سے آپ کی نماز اور روزہ عبادت ہوتی تھی، اسی طرح سے آپ ہنسی اور خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو بھی عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ(۱۶۲) لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ(۱۶۳)

تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور مَیں سب سے پہلا مسلمان ہوں

آپ کو رب تعالٰی نے خوب سجایا اور سنوارا تھا اور رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ اور آئیڈیل بنایا جیسا کہ قرآن گواہی دیتا ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

بے شک تمہارے لیے (ف۱۹) اُن میں اچھی پیروی تھی

اس لیے کہ آپ کا پیکر قرآن کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا،

قرآن میں جو کچھ بھی ہے اس کے سب سے پہلے مخاطب اور سب سے زیادہ پابند آپ تھے، بیوی سے بڑھ کر رازدار کون ہو سکتا ہے، آپ کی اہلیہ

حضرت عائشہ آپ کے اخلاق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

کان خلقه القرآن۔

آپ سراپا قرآن تھے۔(مسند احمد 6/91)

آیئے آپ ﷺ کے مبارک اوصاف و اخلاق کا کچھ خاکہ ملاحظہ کرتے ہیں:

حسن سلوک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (۱۹۵)

اور بھلائی والے ہو جاؤ بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء۔(رواہ مسلم، ریاض الصالحین/248، باب الحلم والرفق)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھے برتاؤ کو ضروری قرار دیا ہے۔

آنحضور کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو حسن سلوک ہے جس میں دوست اور دشمن، اپنے اور بے گانے، طاقتور اور کمزور، مالدار یا نادار کی کوئی

تفریق نہ تھی، بلکہ ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھتے تھے، جو سراپا رحم دلی اور انسانیت نوازی سے عبارت تھی۔ کسی کی دل شکنی اور بے عزتی گوارا نہ تھی، کسی کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچے یہ برداشت نہ تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا برتاؤ

اپنوں، دوستوں اور مالداروں کے ساتھ اچھا برتاؤ تو بہت آسان ہے لیکن غیروں، دشمنوں اور کمزوروں اور ناداروں کے ساتھ حسن سلوک بڑا دشوار ہے لیکن یہی حسن اخلاق کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار ہے اور اللہ کے رسول کی زندگی میں یہ کٹھن مرحلہ بڑا آسان نظر آتا ہے، اس لیے کہ آپ کی ذات، پوری انسانیت کے لیے پیکر رحم و کرم تھی، اس لیے آپ ﷺ سخت غصہ کی حالت میں اور شدید ترین دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہا کرتے تھے۔

مکہ کے مشرکوں نے آپ پر ظلم و ستم کے ترکش کے تمام تیر استعمال کر ڈالے، ستم رانی کا کون سا ایسا طریقہ تھا جو آپ پر آزمایا نہ گیا ہو لیکن ان سب کے باوجود جب غزوۂ بدر میں یہ لوگ مارے گئے تو آپ نے ان کی لاشوں کو چیل کوے، کتے اور جنگلی جانوروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا،

بلکہ ان کی تدفین کا انتظام کیا اور اس جنگ میں جو لوگ قیدی بنائے گئے تھے ، ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے کی تاکید فرمائی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام خود بھوکے رہ کر انھیں پیٹ بھر کھلایا کرتے تھے اور جب یہ لوگ قید سے رہا ہوئے تو انھیں نیا جوڑا عنایت کر کے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

عکرمہ بن ابوجہل اسلام لانے سے پہلے آپ کا جانی دشمن تھا، فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلا گیا، ان کی بیوی نے ان کی جان کی امان چاہی، آپ نے بخوشی امان مرحمت فرمایا، وہ انھیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، فرطِ مسرت کی وجہ سے آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

مرحبا بالراکب المهاجر

ہجرت کرنے والے سوار! خوش آمدید۔(السیرۃ النبویہ 2/618)

ایک شخص جو جنگ کی آگ بھڑکانے میں پیش پیش رہا کرتا تھا اور آپ کی جان لینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا لیکن جب اس کی جان پر بن آئی تو بھاگ کھڑا ہوا، ایسے شخص کا اس قدر شان دار استقبال، اور بھگوڑا کہنے کے

بجائے "مہاجر" کے لفظ کا استعمال؟ کیا اس کی کہیں اور کوئی مثال مل سکتی ہے؟؟

صفوان بن امیہ نے عمیر بن وھب کو آپ کے قتل پر اکسایا تھا، جنھوں نے مدینہ پہنچ کر آپ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور صفوان شرک پر قائم رہا اور فتح مکہ کے بعد جدہ بھاگ گیا۔ حضرت عمیر نے اس کی طرف سے امان چاہا، آپ نے امان دے دیا اور بطور نشانی اپنا عمامہ عنایت فرمایا جسے لے کر وہ صفوان کے پاس گئے، اس نے آتے ہی فوراً پوچھا کہ عمیر کہتے ہیں کہ میری جان کو امان ہے، کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اس نے کہا کہ مجھے دو ماہ کی مہلت مطلوب ہے، آپ نے فرمایا کہ چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ صفوان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری نگاہ میں ناپسندیدہ ترین لوگوں میں تھے، لیکن آپ مجھے ہمیشہ نوازتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی ہستی میرے نزدیک محبوب ترین ہوگئی۔ (صحیح مسلم/2313)

یہودیوں کا آپ کے ساتھ جو رویہ تھا وہ محتاج بیان نہیں ہے، مشرکوں کے ساتھ جو لڑائیاں ہوئیں، زیادہ تر ان ہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا

نتیجہ تھیں، لیکن ان سب کے باوجود کبھی بھی آپ ان کے ساتھ غلط اور اہانت آمیز سلوک روا نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب ایک یہودی کا جنازہ آپ کے پاس سے گذرا تو احترام انسانیت کے تقاضے کے پیش نظر کھڑے ہوگئے، لوگوں نے کہا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی تو انسان ہے۔

فتح خیبر کے بعد ایک یہودی خاتون نے آپ کی دعوت کی، آپ نے دلجوئی کے مقصد سے اس کی دعوت قبول فرمالی، اس نے زہر آلود کھانا آپ کو کھلا دیا، لیکن اس قدر شدید جرم کو بھی آپ نے معاف کردیا، آنحضور زندگی کے آخری مرحلے میں کہا کرتے تھے کہ اس زہر کے اثر کی وجہ سے میری شہہ رگ کٹی جارہی ہے۔

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا، آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کا استقبال کیا، نہایت اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا اور انھیں مسجد میں ٹھہرایا اور اپنے طریقے پر مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دی۔

ابن ابی، منافقوں کا سردار اور آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے

تھا لیکن جب وہ مرض موت میں مبتلا ہوا تو آپ نے اس کی عیادت فرمائی اور کفن، دفن میں شریک رہے بلکہ ان کے بیٹے کی درخواست پر کفن میں رکھنے کے لیے اپنا پیرہن عنایت فرمایا۔

ان واقعات سے انداہ لگایا جاسکتا ہے کہ دشمنوں کے لیے بھی آپ کا سینہ کس درجہ کشادہ تھا اور آپ کی محبت ورحمت کا ابر کرم صرف دوستوں تک محدود نہ تھا بلکہ آپ پوری انسانیت کے لیے پیکر رحم و کرم تھے اور مومنوں کو آپ نے یہ تعلیم دی کہ

لا یؤمن أحدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسہ۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہی سلوک اور رویہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یعنی مسلموں اور غیر مسلموں کی تفریق کے بغیر ہر ایک کے ساتھ اچھے برتاؤ کے بغیر کوئی مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

کمزوروں اور ناداروں کے ساتھ آپ کا طرز عمل

آپ کی نگاہ میں کمزور اور نادار سب سے زیادہ توجہ اور لطف و مہربانی کا

مستحق تھا، آپ نے یہ تصور دیا کہ کمزوروں اور ناداروں ہی کی وجہ سے روزی ملتی ہے اور سرفرازی اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

هل تنصرون وترزقون الا بضعفاء کم (ریاض الصالحین / 130)

حضرت خدیجہ آپ کی دن بھر کی مصروفیات کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

اللہ آپ کو ہرگز رسوانہ کرے گا، آپ رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لیے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مشکل گھڑی میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

معاشرہ کے دبے کچلے اور دھتکارے ہوئے لوگ آپ کے یہاں لائق استقبال تھے اور عزت واحترام کے لائق۔ آپ کی شفقت وعنایت ایسے لوگوں پر سب سے زیادہ تھی، آپ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری زندگی مسکینوں جیسی ہو اور موت بھی ان کی طرح سے آئے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر ہو، آپ نے فرمایا کہ کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد واپس مت کرو، گرچہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، عائشہ! غریبوں سے محبت رکھو، ان کو اپنے سے قریب کرو تو اللہ تعالیٰ

تمھیں اپنی قربت عطا کرے گا۔ (مشکات 2/ 438)

ایک مرتبہ آنحضور صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، دیکھا کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ اس حال میں چلے آرہے ہیں کہ بدن پر قاعدے کا کوئی کپڑا نہیں، ستر چھپانے کے لیے چیتھڑے لپیٹ رکھے ہیں، ان کی فاقہ مستی، بے لباسی اور پر مشقت زندگی کو دیکھ کر آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہاں سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے کہ انھیں دینے کے لیے کچھ مل جائے، لیکن کچھ نہیں ملا۔ دوسرے گھر میں گئے وہاں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوا، شدت اضطراب اور سخت پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر جاتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا، اذان دی گئی، نماز ہوئی اور اس کے بعد آپ نے ان کی امداد اور اعانت کے لیے تقریر فرمائی، جسے سن کر کے جس کے پاس جو کچھ تھا لا لا کر مسجد نبوی میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ کپڑے اور کھانے کے سامان کا بڑا ذخیرہ ہو گیا جسے دیکھ کر آپ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔ (صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ)

حضرت زاہر دیہات کے رہنے والے تھے، وہاں سے آپ کے لیے گھی

اور پنیر وغیرہ لایا کرتے تھے اور جب رخصت ہوتے تو نبی ﷺ کھجور وغیرہ انھیں عنایت کرتے، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ گھر پہ موجود نہ تھے، وہ بازار کی طرف چلے گئے، اللہ کے رسول جب تشریف لائے تو آپ کو ان کی آمد کی اطلاع دی گئی، آپ فوراً ان کی تلاش میں بازار روانہ ہوگئے، دیکھا کہ وہ وہاں اپنا سامان بیچنے میں مشغول ہیں، آپ نے پیچھے کی طرف سے جاکر انھیں پکڑ لیا اور فرمایا کہ کون اس غلام کو خریدے گا پہلے تو وہ گھبرا گئے، لیکن جب احساس ہوا کہ یہ صدا لگانے والے اللہ کے رسول ہیں تو وہ آپ کے سینے سے لگ گئے اور کہنے لگے اللہ کے رسول! مجھے خرید کر کون گھاٹے کا سودا کرے گا، میں تو ایک کھوٹے سکے کی طرح ہوں، آپ نے فرمایا کہ لیکن تم اللہ کے نزدیک بہت قیمتی ہو۔(ترمذی فی الشمائل)

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت زاہر ایک عام صحابی تھے، اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو شاید کوئی ان کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتا، اگر کوئی اور ہوتا تو خیال کرتا کہ اس طرح کے لوگ آتے ہی رہتے ہیں، دوبارہ آجائیں گے، نمازیں یا کسی وقت ملاقات ہو جائے گی، لیکن رسول اللہ ﷺ کی نگاہ

میں کوئی عام اور خاص نہیں بلکہ ہر ایک محبوب تھا، آپ نے ان کو اتنی اہمیت دی کہ ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بکری اور اونٹ کے چرواہے کو جو گردو غبار سے اٹاہوا اور پسینہ میں شرابور تھا ایک ایسی ہستی نے اپنے سینے سے چمٹالیا جو سراپا معطر اور روئے زمین پر سب سے زیادہ پاک باز تھا۔ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ان کا لباس میلا اور ان کے پسینے سے بدبو آرہی ہے۔

حسن معاشرت

خواتین کے بارے میں دنیاہمیشہ نہایت عجیب افراط و تفریط کا شکار رہی ہے، مندروں میں وہ دیوی کی حیثیت سے براجمان رہتی ہے اور لائق پرستش ہے، لیکن گھر میں اس کی وقعت داسی سے بھی بدتر ہے، فکر و فلسفہ کے اعتبار سے وہ مرد کے ہمدوش بلکہ کبھی اس سے برتر بھی خیال کی جاتی ہے لیکن عملی دنیامیں اس کی زندگی آج بھی قابل ترس ہے، عیار ذہنوں نے اسے گھر کی محفوظ چہار دیواری سے نکال کر بازار میں سامان تجارت اور متاع ہوس بنار کھاہے اور اس کے نازک کاندھوں پر دوہری ذمہ داری کا بوجھ لادر کھاہے۔

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو ان کا جائز مقام عطا کیا، ان کی عزت نفس، شرافت اور خودداری کا لحاظ رکھا اور انھیں صرف وہی ذمہ داری دی جو ان کی فطرت اور طبیعت سے مناسب تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔

اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے اچھا برتاؤ کرے۔ (ترمذی وقال حسن صحیح، ریاض الصالحین /132)

اور ایک روایت میں ہے کہ

بہتر اخلاق رکھنے والا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے بہتر برتاؤ کرتا ہوں۔

اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو، وہ تمہارے پاس اللہ کی امانتیں ہیں، تمہارے کچھ حقوق ان

پر ہیں اور ان کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔(ریاض الصالحین / 132)

اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

عورتوں کے ساتھ اچھابرتاؤ کرو، اس لیے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور سب سے زیادہ کجی پسلی کے اوپری حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے چلوگے تو اسے توڑ دوگے اور اگر اسی طرح رہنے دوگے تو کجی باقی رہے گی، لہٰذا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔(متفق علیہ، ریاض الصالحین / 131)

ازواج مطہرات کے ساتھ اللہ کے رسول کے طرز عمل سے متعلق متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی درجے میں ان کی تحقیر اور حوصلہ شکنی گوارہ نہ تھی، ایک مرتبہ رمضان میں ازواج مطہرات میں سے کسی نے آپ سے اعتکاف کی اجازت چاہی، اجازت ملنے پر ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگادیا گیا، ان کو دیکھ کر دوسری بیویوں نے بھی اعتکاف کے لیے اپنا خیمہ لگالیا، پوری مسجد خیموں سے بھر گئی، دو شکل تھی یا تو تمام بیویوں کے خیمے اٹھوادئے جاتے، ایسی

صورت میں ان کی دل شکنی ہوتی یا جنھوں نے اجازت لی تھی ان کو باقی رکھا جاتا اور دوسروں کو منع کر دیا جاتا اس حالت میں انھیں شکایت ہوتی، جس کی وجہ سے آپ نے ایک تیسری راہ اپنائی، خود آپ نے اس سال اعتکاف کا ارادہ ترک کر دیا، جس کی وجہ سے تمام ازواج مطہرات نے از خود اپنے خیمہ ہٹا لئے۔

خواتین کے تعلق سے اس درجہ حساس وہی ہستی ہو سکتی ہے جو ان کے ساتھ بھلے برتاؤ کو اسی طرح سے عبادت سمجھتی ہو جیسے کہ نماز اور روزہ کو۔

حضرت عائشہ نے عید کے موقع پر حبشیوں کے کھیل کو دیکھنے کی خواہش کی، آپ نے انھیں نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ اپنا کندھا پیش کر دیا، وہ آپ کے کندھے پر ٹیک لگا کر ان کا کھیل دیکھتی رہیں اور جب تک کہ وہ خود سے نہیں ہٹ گئیں آپ وہاں سے ہلے نہیں۔

حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول گھر جا کر کیا کرتے ہیں، انھیں امید تھی کہ جواب ملے گا کہ ہمہ وقت ذکر و تلاوت کرتے ہیں، نماز میں مشغول رہتے ہیں وغیرہ، لیکن خلاف توقع انھیں جواب ملا کہ

یکون فی مھنۃ أھلہ، فاذا حضرت الصلاۃ یتوضأ ویخرج الی الصلاۃ۔
گھر کے کام کاج میں ہماری مدد کیا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو وضو کرتے اور نماز کے لیے چلے جاتے۔

انھیں سے منقول ہے کہ آپ نے کبھی کسی غلام، باندی، عورت یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپ جب گھر میں تشریف لے آتے تو ہنستے اور مسکراتے ہوتے، ازواج مطہرات کے ساتھ انتہائی خوش مزاجی سے پیش آتے، کسی بات پر ناگواری کا اظہار نہ کرتے۔

زمانہ جاہلیت میں اور آج بھی بچیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار اور ان کی کفالت اور پرورش کو بوجھ سمجھا جاتا ہے، آپ نے اپنے قول و عمل کے ذریعہ اس تصور کو ختم کیا، جس کے نتیجے میں فتح مکہ کے بعد حضرت حمزہ کی صاحب زادی کی پرورش کے لیے تین تین دعویدار نکل آئے، حضرت علی کہنے لگے کہ میں اس کی پرورش کروں گا اس لیے کہ میرے چچا کی لڑکی ہے، حضرت جعفر کا کہنا تھا کہ یہ میرے یہاں رہے گی اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زید کا خیال تھا کہ میں اس پر زیادہ حق رکھتا ہوں اس لیے کہ میرے اسلامی بھائی کی لڑکی ہے۔

خود آنحضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ جس محبت و شفقت کا معاملہ فرمایا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

آپ نے ماں کی حیثیت سے عورت کو جو عزت و وقار دیا اس سے بڑھ کر کسی عزت و احترام کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ فرمایا: تمہاری ماں، انھوں نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا اور ہر بار آپ کا جواب تھا تمہاری ماں۔

بچوں اور یتیموں پر شفقت

آپ سے پہلے یتیموں کے حق پر دست درازی ایک عام بات تھی، ان کے ساتھ نہایت ناروا اور اہانت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا، خود قرآن میں جگہ جگہ ان کے ساتھ لوگوں کے غلط رویہ کا ذکر ہے، آپ نے ان تمام زیادتیوں کا سدباب فرمایا، آپ کا ارشاد ہے کہ سب سے بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کی کفالت کی جائے اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں ان کے ساتھ بدسلوکی کی جائے (رواہ ابن ماجہ، الترغیب 2/961)، نیز یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں مجھ سے اس درجہ قریب ہو گا جیسے

کہ بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی ہے۔(متفق علیہ، الترغیب2/961)

بچوں کے ساتھ آپ کو اس درجہ انس اور تعلق تھا کہ کسی سفر سے واپسی پر راستے میں جو بھی بچے ملتے ان میں سے کسی ایک کو اپنی سواری پر بٹھالیتے، آپ کا معمول تھا کہ جب نیا پھل آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو کسی بچے کو بلا کر اسے سب سے پہلے کھلاتے، بچوں کو چومتے اور ان سے پیار کرتے، ایک مرتبہ آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو پیار نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔(متفق علیہ، الترغیب2/872)

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لیٹے ہوئے تھے، حضرت حسن و حسین میں سے کوئی آئے اور آپ کے پیٹ پر بیٹھ گئے، آنحضور انھیں گدگدانے لگے جس کی وجہ سے وہ ہنسنے لگے اور ان کے ساتھ آپ بھی ہنستے رہے اور اسی دوران انھوں نے پیشاب کرنا شروع کر دیا حضرت انس تیزی سے لپکے تاکہ انھیں آپ کے اوپر سے ہٹادیں، آپ نے فرمایا کہ نہیں رہنے دو میرے بچے کو گھبراہٹ میں مبتلا نہ کرو اور جب وہ اس

سے فارغ ہوگئے، آپ نے انھیں ایک طرف بٹھادیا اور پیشاب کو دھل دیا۔(رواہ البیہقی)

محبت و شفقت کی یہ پھوار صرف مسلمان بچوں پر نہیں برستی تھی بلکہ غیر مسلم بچے بھی اس سے اسی طرح مستفید ہوتے تھے، ایک جنگ میں آپ کو مشرکین کے بچوں کے مارے جانے کی اطلاع ملی، آپ کو شدید تکلیف ہوئی، کسی نے کہا کہ یہ مشرکین کے بچے تھے، آپ نے فرمایا کہ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، سن لو بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو، سن لو انھیں ہرگز نہ مارو، ہرجان اللہ کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔(مسند احمد 3/435)

غلاموں اور خادموں کے ساتھ آپ کا رویہ

دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ مظلوم طبقہ غلاموں کا طبقہ تھا، جس کا کوئی حق نہیں تھا روم و ایران کے مہذب قوموں کا یہ حال تھا کہ وہ غلاموں کا درندوں سے مقابلہ کرایا کرتے تھے اور ان کی بے رحمانہ ہلاکت کا تماشا دیکھا کرتے تھے اور اس انسانیت سوز تماشا کے لیے یورپ میں بڑے بڑے اسٹیڈیم بنے ہوئے تھے، آنحضور ﷺ نے انھیں سماج میں سر اٹھا کر جینے

کا حق عطا کیا، انھیں ایسے الفاظ میں پکارنے سے منع فرمایا جس سے ان کی تذلیل ہوتی ہو، جس کا نتیجہ تھا کہ حضرت بلال جیسے حبشی غلام کو اکابر صحابہ ہمارے آقا اور سردار کہہ کر پکارتے تھے اور شرفاء عرب کی لڑکیوں سے ان کا نکاح ہوا۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان، حضرت سلمان فارسی، صہیب رومی اور حضرت بلال حبشی کے پاس سے گذرے، انھیں دیکھ کر ان لوگوں نے کہا کہ اللہ کے دشمنوں کے سلسلہ میں ابھی اللہ کی تلوار کا حق ادا نہیں ہوا ہے، یہ سن کر حضرت ابو بکر نے کہا کہ تم لوگ سردار قریش سے اس طرح کی بات کہہ رہے ہو، پھر انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا ہے، اگر وہ لوگ خفا ہو گئے تو تم سے تمہارا رب ناراض ہو جائے گا، حضرت ابو بکر بھاگ کر ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے میرے بھائیو! کیا تم ناراض ہو گئے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، اللہ آپ کو معاف کرے۔(رواہ مسلم، ریاض الصالحین/ 128)

غلاموں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ بھی تمہارے بھائی ہیں

جنھیں اللہ نے تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے، لہٰذا جو تم کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنو ان کو بھی پہناؤ(متفق علیہ، الترغیب 2/878)، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کو انھیں کی فکر تھی آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔(ابو داؤد 2/218، کتاب الادب، الترغیب 2/880)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے نو سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، لیکن میرے کسی کام پر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور نہ کسی کام میں عیب نکالا اور نہ ہی کبھی اف کہا(متفق علیہ، ریاض الصالحین/243)، ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرا خادم میرے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے، مجھ پر ظلم کرتا ہے ؟ کیا میں اسے مار سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ ہر روز اسے ستر بار معاف کر دیا کرو۔(ابو یعلیٰ، الترغیب 2/881)

جانوروں پر رحم اور مہربانی

آپ سراپا رحمت اور پوری کائنات کے لیے رحمت بن کے آئے تھے، اس لیے اس ابر رحمت سے پوری دنیا سیر اب ہوئی، آپ بے زبان جانوروں کے لیے بھی رحم و کرم اور لطف و ہمدردی کا پیام لے کر آئے، آپ نے

جانوروں کو بھوکا رکھنے پر سخت وعید بیان فرمائی، ایک انصاری کے بھوکے اونٹ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس جانور کے معاملہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ (حوالہ مذکور کتاب الجہاد 1 / 345، الترغیب 2 / 874)، آپ نے فرمایا کہ ایک عورت صرف اس لئے جہنم کا لقمہ بن گئی کہ وہ بلی کو بھوکا رکھتی تھی (بخاری وغیرہ، الترغیب 2 / 876) اور ایک بدکردار عورت کے لیے کتے کو پانی پلانا جنت میں جانے کا ذریعہ بن گیا۔

پہلے اور آج بھی لوگ جانوروں کو باہم لڑا کر ان کا تماشا دیکھتے ہیں، آپ نے اس درندگی کی سختی سے ممانعت فرمائی (ابوداؤد و ترمذی، الترغیب 2 / 877)، سخت دلی کی انتہاء یہ تھی کہ کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کی مشق کیا کرتے تھے، آپ نے شدت کے ساتھ اس سے منع فرمایا۔ (متفق علیہ، الترغیب 2 / 873)

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جانور کو لٹا کر چھری تیز کر رہا ہے، آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم اسے دوبار مارنا چاہتے ہو، لٹانے سے پہلے تم نے چھری تیز کیوں نہیں کر لی؟ (الترغیب 2 / 877)

ایک سفر کے دوران کسی صحابی نے پرندے کے بچوں کو ان کے

گھونسلے سے اٹھالیا، ان کی ماں اس کے سر پر منڈلانے لگی، آپ نے فرمایا کہ اس پرندے کو کس نے پریشان کر رکھا ہے، اس کے بچے واپس کر دو۔ (ابو داؤد، الترغیب 2/874)

حسن معاملہ

عام طور پر چند عبادات کی ظاہری اہتمام سے ادائیگی دین داری سمجھی جاتی ہے، یعنی معاملات کا کھوٹا اور بد عنوان بھی پختہ مسلمان ہو سکتا ہے بس اتنا کافی ہے کہ اس کی ظاہری ہیئت ٹھیک ہو اور نماز، روزہ کا پابند ہو، حالانکہ معاملات کی صفائی اور امانت اور سچائی پر اس دین کی بنیاد ہے، معاملات میں امانت و دیانت نبی آخر الزماں کا نمایاں وصف ہے، نبوت سے پہلے آپ صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے، عرب کے مشہور تاجر حضرت سائب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تجارت میں میرے شریک تھے اور آپ نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ (ابو داؤد 2/190، کتاب الادب باب کراہیۃ المراء)

حضرت خدیجہ نے آپ کے اسی وصف سے متاثر ہو کر آپ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضرت خولہ کہتی ہیں کہ بنی ساعدہ کے ایک آدمی سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کچھ کھجوریں قرض لی تھیں، کچھ دنوں کے بعد وہ اسے مانگنے آئے، آپ نے ایک انصاری صحابی کو اس کی ادائیگی کا حکم دیا لیکن انھوں نے جو کھجوریں دیں وہ ان کے کھجوروں سے کمتر تھیں، انھوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا، انصاری نے کہا کہ تم اللہ کے رسول کی دی ہوئی کھجوریں واپس کر رہے ہو، انھوں نے کہا ہاں، جب اللہ کے رسول کے یہاں انصاف نہیں ملے گا تو پھر کہاں ملے گا، یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ صحیح ہے، مجھ سے بڑھ کر انصاف کرنے والا کون ہو گا؟ اور اسے عمدہ کھجوریں دینے کا حکم دیا۔(الترغیب2/732)

محدث ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی آپ کے پاس اپنے قرض کے تقاضے کے لیے آیا اور بڑے سخت لہجے میں آپ سے گفتگو کی، صحابہ کرام نے اسے ڈانٹا، تیرا ستیاناس ہو، تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے بات کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اپنا حق مانگ رہا ہوں، آنحضور نے فرمایا کہ تم لوگوں کو میری طرف داری کے بجائے حق والے کا ساتھ دینا چاہیے، پھر آپ نے اس کا قرضہ واپس کیا اور کھلا پلا کر رخصت

کیا۔(الترغیب 2/733)

آپ کی امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ آپ کے جانی دشمن بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے، جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اہل مکہ کی بہت ساری امانتیں آپ کے پاس تھیں جن کی دائیگی کے لیے آپ نے حضرت علی کو مکہ میں رہنے کا حکم فرمایا۔

عہد اور وعدہ کی پابندی

آپ ﷺ نے بعثت سے پہلے عبد اللہ بن ابی حمساء سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، ان کے ذمے کچھ ادائیگی باقی تھی، انھوں نے کہا کہ آپ یہیں رہیے میں ابھی گھر سے لے کر آتا ہوں، وہ گھر جاکر اپنا وعدہ بھول گئے، تین دن کے بعد انھیں یاد آیا، اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ ان کے انتظار میں کھڑے ہیں، انھیں دیکھ آپ نے فرمایا: نوجوان! تم نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا، میں تین روز سے تمہارا یہاں انتظار کر رہا ہوں۔(رواہ ابو داؤد، الترغیب 3/1100)

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی عددی قوت بہت کم تھی، کافروں کے مقابلہ میں ان کی تعداد ایک تہائی بھی نہیں تھی، اس لیے ایک ایک آدمی

کی بڑی اہمیت تھی اور مسلمانوں کو افرادی مدد کی بڑی ضرورت تھی لیکن آپ نے میدان جنگ میں بھی وعدہ کی پاسداری اور بلند ترین اخلاقی معیار کو برقرار رکھا، حضرت حذیفہ اور ان کے والد یمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم مکہ سے آرہے تھے، راستے میں مشرکوں نے ہمیں گرفتار کرلیا اور اس شرط کے ساتھ رہا کیا کہ جنگ میں ہم آپ کا ساتھ نہیں دیں گے مگر یہ مجبوری کا عہد تھا ہم ان کے خلاف ضرور لڑیں گے مگر ہادیٔ عالم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تم دونوں میدان جنگ سے ہٹ جاؤ، ہم ہر حال میں ان سے کیے گئے وعدہ کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد چاہیں گے۔(صحیح مسلم 3/159، 1787)

عہد اور وعدہ کی پابندی آپ کی ایسی نمایاں خصوصیات تھی کہ دشمنوں کو بھی اس کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ قیصر نے ابوسفیان سے آپ کے متعلق جو سوالات کیے تھے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ وہ بدعہدی کرتے ہیں، ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی تقریر فرماتے تو یہ ضرور کہتے:

لا ایمان لمن لا أمانة له ولا دین لمن لا عهد له۔

اس کے پاس ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں ہے اور اس شخص کا کوئی دین نہیں ہے جس میں عہد کی پاسداری نہیں ہے۔(رواہ احمد والبزار ،الترغیب 3/1102)

خوش کلامی اور راست گوئی

نضر بن حارث مکہ کے سرداروں میں بڑا تجربہ کار اور جہاندیدہ سمجھا جاتا تھا، جب مشرکوں نے آپ کو جادوگر اور مجنوں وغیرہ کہنا شروع کیا تو اس نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا

قریش کے لوگو! تم پر جو یہ نئ مصیبت آپڑی ہے، تم اب تک اس کا کوئی حل نہیں ڈھونڈ سکے، محمد تمہارے سامنے پیدا ہوا، پلا بڑھا اور جوان ہوا، تمہارے درمیان وہ سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب تھا، بات کا سچا اور وعدے کا پکا، سب سے زیادہ امانت دار اور جب اس کی جوانی ڈھلنے لگی اور اس نے تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہے، اللہ کی قسم وہ جادوگر نہیں ہے۔(سیرت ابن ہشام 2/38)

ابو جہل جیسا آپ کا دشمن بھی آپ کی بعثت کے بعد آپ کی مخالفت

کرتے ہوئے کہتا ہے:

انا لانكذبك ولكن نكذب بما جئت به۔

میں تمہیں جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ لے کے آئے ہو اسے سچ نہیں سمجھتا۔(ترمذی 5/3075،46)

خود ابو سفیان نے اسلام لانے سے پہلے قیصر روم ہرقل کے یہ پوچھنے پر کہ کیا تم نے کبھی ان کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے، تو اس کا جواب تھا کہ نہیں، اور حضرت ابو جعفر نے شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں آپ کی تعلیمات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہمیں سچائی اور پاکدامنی کا حکم دیتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، کہا گیا کہ کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں، آپ سے پوچھا گیا کہ کیا جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔(موطا امام مالک، کتاب الکلام باب ما جاء فی الصدق الکذب)

بظاہر سچائی صرف ایک خوبی ہے لیکن درحقیقت یہ بہت سی خوبیوں کا مجموعہ ہے، سچا شخص ایماندار بھی ہو گا اور عہد اور وعدہ کا پابند بھی، اس کی ہمت اور سوچ بلند ہو گی اور منافقانہ روش اور ریاکاری سے پاک و صاف

ہو گا، وہ بہادر اور نڈر ہو گا، اور فکر و عمل کا آزاد۔

سچائی کا یہ مفہوم ہر گز نہیں ہے کہ انسان کسی سے سخت کلامی کرے بلکہ سچائی میں بھی سلیقہ اور حسن مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

لوگوں سے اچھی گفتگو کرو۔

اور حضرت موسیٰؑ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے حکم دیا گیا کہ

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا

تم دونوں اس سے نرم لہجے میں بات کرو۔

رسول اللہ ﷺ رحمت عالم بن کر آئے تھے اور اخلاق کی بلند ترین سطح پر فائز تھے، اس لیے اس صفت میں بھی آپ بے مثال تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں:

لم يكن رسول الله ﷺ فاحشاً ولا متفحشاً وكان يقول ان من خياركم أحسنكم أخلاقاً (متفق علیہ، ریاض الصالحین /244)

اور حضرت ابو درداء سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

ما من شيء أثقل في ميزان المؤمن يوم القيامة من حسن الخلق وان الله

یبغض الفاحش البذی۔ ﴿رواہ الترمذی، ریاض الصالحین/244﴾

نہایت سخت اور مشکل اور جذبات کو برانگیختہ کر دینے والے حالات اور غصہ کے وقت بھی آپ کے لب ولہجہ کی مٹھاس بر قرار رہتی، نرم اور میٹھی گفتگو آپ کی فطرت میں شامل تھی، آپ کبھی سخت اور کڑوی کسیلی بات نہیں کہتے تھے، بلکہ بد گوئی کے جواب میں بھی شیریں گفتگو کیا کرتے تھے، اس لیے کہ خود آپ کا ارشاد تھا کہ نرم گفتگو بھی عبادت ہے۔

الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ۔ (متفق علیہ، ریاض الصالحین /264)

ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے عقبہ بن ابی معیط کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو سمجھائے کہ توحید کی دعوت سے باز آجائیں، اس نے آتے ہی طیش دلانے والی گفتگو شروع کی، کہنے لگا تم نے ہماری جماعت میں انتشار برپا کر رکھا ہے، ہماری اجتماعیت اور اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، پوری قوم بکھر گئی، باپ بیٹے کا دشمن بن گیا، میاں بیوی میں جدائیگی ہو گئی، یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے، میں تمہیں چار باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دے رہا ہوں، اگر تمہیں مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم تمہارے قدموں میں لا کر اس کا ڈھیر لگا دیں گے، یہاں تک کہ تم عرب کے امیر ترین شخص

ہو جاؤگے، اگر حکومت کی چاہت اور لالچ ہے تو ہم تمہیں اپنا حکمراں بنالیں گے، خوبصورت ترین عورت سے شادی کے خواہش مند ہو تو اس کا انتظام ہو جائے گا اور اگر تمہاری عقل میں کچھ خلل ہے تو ہم اس کے علاج کا بار بھی اٹھانے کو تیار ہیں۔

گفتگو کا طریقہ کس قدر تہذیب وشائستگی سے گرا ہوا اور گھٹیا ہے، ایک ایسی ہستی کو پاگل، عورتوں کا رسیا، حکومت و دولت کا حریص کہا جارہا ہے، جو روئے زمین پر سب سے زیادہ عقلمند اور باشعور ہے، جو سب سے زیادہ پاکدامن اور خواہش نفسانی سے دور ہے، جو دولت و ثروت کی ذخیرہ اندوزی سے نفور اور حکومتی نشہ سے کوسوں دور ہے۔

آپ نے نہایت اطمینان اور پر سکون انداز میں اس کی گفتگو سنی اور جب وہ اپنی بات کہہ چکا تو فرمایا: ابو ولید آپ کی بات پوری ہو گئی، عربوں میں کنیت کے ساتھ پکارنا اعزاز اور اکرام کی دلیل ہے اور آنحضور ﷺ کی طرف سے اکرام و احترام کا یہ معاملہ ایسے شخص کے ساتھ کیا جارہا ہے جو ابھی آپ کو سخت سست کہہ چکا ہے، آپ پر طرح طرح کے الزامات لگا رہا ہے۔

حضرت معاویہ بن حکم دیہات کے رہنے والے تھے، ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، یہ بھی اس میں شامل ہوگئے، دوران نماز کسی کو چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا، انھوں نے سن رکھا تھا کہ اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا چاہئے، چنانچہ انھوں نے بلند آواز سے یرحمک اللہ کہا، لوگ پریشان ہوگئے اور خشمگیں نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگے، وہ نماز ہی میں کہنے لگے کہ تم لوگ کیوں مجھے دیکھ رہے ہو، صحابہ کرام ران پر ہاتھ مار کر انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کرنے لگے، وہ چپ ہوگئے۔ نماز ختم ہونے کے بعد آپ نے پوچھا کہ کون بات کر رہا تھا، حضرت معاویہ گھبرا گئے، سوچا کہ میں نے لوگوں کی نماز خراب کی ہے اس لیے ڈانٹ پڑے گی، ڈرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے لیکن وہاں تو رحمت و شفقت کی بارش ہو رہی تھی، چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر معلم نہیں دیکھا، اللہ کی قسم آپ نے نہ تو اپنا چہرہ بگاڑا، نہ ڈانٹا، نہ مارا، نہ برا بھلا کہا، صرف یہ فرمایا کہ معاویہ! نماز میں انسانی کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ (مسلم و ابوداؤد)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضور سے حاضری کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے خاندان کا سب سے برا آدمی ہے اور پھر اسے اندر آنے کی اجازت دے دی، اس کے آنے پر اس سے نہایت نرمی سے بات چیت کی، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ آپ نے ابھی اس کے متعلق اس طرح کی بات کی تھی لیکن اس کے حاضر ہونے پر آپ نے بڑی عمدگی سے بات کی، آپ نے فرمایا: عائشہ !وہ لوگوں میں سب سے بدتر ہے جسے لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے چھوڑدیں۔(ترمذی 3/2003، 401)

زندگی میں بارہا اس طرح کے مواقع آتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے، جنھیں وہ پسند نہیں کرتا اس طرح کے موقع پر لوگ دو طرح کا رویہ اختیار کرتے ہیں، کچھ لوگ کترا کر نکل جاتے ہیں اور بعض لوگ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں اور سامنے والے کے احساس و جذبات اور عزت نفس کا خیال نہیں رکھتے۔ جبکہ اس طرح کے لوگوں سے ملتے ہوئے صحیح طریقہ وہ ہے جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنایا کہ دوسرے شخص میں جو خامی ہے اس سلسلہ میں اپنے نقطۂ نظر پر قائم رہتے ہوئے اس کے احساس و

جذبات کا لحاظ رکھا جائے اور اس بات کی ضرور کوشش کی جائے کہ وہ کوئی برا تاثر لے کر نہ جائے اور ایسے شخص کے ساتھ بھی بدکلامی کی گنجائش نہیں ہے۔

کشادہ قلبی اور نرم دلی

قرآن حکیم آپ کے متعلق گواہی دیتا ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠

اور اگر تم تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے ہٹ جاتے۔(آل عمران/159)

اور حضرت مالک بن حویرث آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نرم مزاج اور رحم دل تھے۔ (مسلم1/377، 674)

اور خود آپ ﷺ نے اس کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

جس چیز میں نرمی شامل ہو جائے وہ اسے سنوار دیتی ہے اور جس چیز میں سختی داخل ہو جائے اسے بگاڑ دیتی ہے۔(مسلم4/183، 2594)

نیز آپ نے فرمایا کہ

اس شخص پر آگ حرام ہے جو نرم اور آسان ہو، لوگوں سے قریب ہو۔(ریاض الصالحین/248)

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ کچھ یہودی آپ کے پاس سے گزرے اور السلام علیکم کی جگہ السام علیکم (تم پر موت ہو) کہا، رسول اللہ ﷺ نے اس اشتعال انگیزی کے جواب میں بس اتنا کہا علیکم (بلکہ تم پر) لیکن حضرت عائشہ سے برداشت نہ ہو سکا اور اس کے جواب میں کہا کہ

بلکہ تم کو موت آئے، اللہ کی پھٹکار پڑے اور اس کی غیظ و غضب کا شکار ہو جاؤ۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

عائشہ خاموش ہو جاؤ، نری اختیار کرو، شدت و سختی اور بدکلامی سے بچو۔

انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ !انھوں نے جو کچھ کہا کیا آپ نے اسے نہیں سنا، آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا بھی اور جواب بھی دے دیا، میں نے "علیکم" کہہ کر ان کی بات ان پر لوٹا دی۔(بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ بیٹے! اگر تم سے ہو سکے تو صبح و شام اس حالت میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کدورت اور کھوٹ نہ ہو اور میں خود بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔(الترغیب3/1065، ترمذی/2678،603، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ)

حسن ظن اور مثبت پہلو پر نظر

ایک آدمی شراب کا عادی تھا، شراب پینے پر اسے بار بار سزا دی جاتی تھی لیکن وہ باز نہیں آتا تھا، اس کی اس حالت کو دیکھ کر ایک صحابی نے کہا کہ

لعنہ اللہ ما اکثر مایوتی بہ۔

اللہ کی پھٹکار پڑے، کتنی مرتبہ اسے یہاں لایا جاتا ہے۔

یہ لعنت کسی نمازی اور پرہیز گار اور عابد و زاہد پر نہیں کی جارہی ہے بلکہ ایک عادی شرابی پر بھیجی جارہی ہے لیکن آنحضور ﷺ نے اسے گوارا نہیں کیا اور فرمایا:

لاتلعنہ لأنہ یحب اللہ و رسولہ۔

اس پر لعنت مت کرو، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ مدینہ کے ایک محلے میں تشریف لے گئے، وہاں کے سب لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ مالک بن دخشن نظر آرہے ہیں، ایک صاحب نے کہا کہ وہ منافق ہو گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو وہ لا الہٰ اللہ کہتے ہیں۔ (بخاری کتاب الصلاۃ باب المساجد فی البیوت)

اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

بدگمانی سے بچو کیونکہ وہ سب سے جھوٹی بات ہے، ٹوہ میں مت رہو اور لوگوں کے عیب معلوم کرنے کے درپے نہ رہو، باہم حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو۔ (بخاری، ریاض الصالحین / 489)

عفو و درگذر

حضرت جابر وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے حسن اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین۔(المغنی مع الاحیاء3/54)

محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی کو اچھے اخلاق کا حکم دیا ہے اور حسن اخلاق کے سلسلہ میں قرآن کے اندر اس سے زیادہ جامع کوئی آیت نہیں ہے۔(مدارج السالکین/58)

اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی صبر و تحمل اور عفو و درگذر سے عبارت ہے، آپ نے ہر طرح کے ظلم و ستم کو برداشت کیا اور بدلہ لینے پر قدرت کے باوجود معافی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا، دوست و دشمن اور اپنے اور پرائے سب کو آپ معاف کر دیا کرتے تھے، آپ نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں کسی سے بدلہ اور انتقام نہیں لیا۔(صحیح مسلم، ریاض الصالحین/249)

حضرت عائشہ سے آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ کبھی کسی سے بدکلامی نہیں کرتے اور نہ بازار میں شور وہنگامہ مچاتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ معاف اور درگذر کر دیتے۔(جامع ترمذی/456)

مکہ کے لوگوں نے آپ کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں لیکن فتح مکہ کے

بعد آپ نے عام معافی کا اعلان فرمایا اور بدلہ لینا تو درکنار کسی سے کسی طرح کی باز پرس اور لعن طعن بھی نہیں کی۔

طائف کے لوگوں نے آپ کے ساتھ جس طرح کی بدسلوکی کی تھی کہ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی میں اس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں ہے، یہاں تک کہ احد کا حادثہ بھی اس کے سامنے ہیچ ہے جس میں چہرہ انور زخمی ہو گیا تھا اور بہت سے صحابہ کرام کی شہادت کی وجہ سے آپ شدید دل گرفتہ تھے لیکن جب طائف کے لوگوں نے مجبوراً ہتھیار ڈال کر 9ھ میں مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے ان کے ساتھ نہایت اعزاز واکرام کا معاملہ فرمایا۔

ایک یہودیہ نے زہر خورانی کے ذریعہ آپ کو مارنے کی کوشش کی۔ آپ کو اس کی اطلاع مل گئی لیکن آپ نے اس سے درگذر کا معاملہ فرمایا۔ ایک یہودی جادو کے ذریعہ درپے آزار ہوا لیکن آپ نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہیں جارہا تھا، آپ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا کنارہ موٹا اور کھردرا تھا،

ایک بدو دوڑتے ہوئے آیا اور آپ کی چادر کو اتنے زور سے کھینچا کہ گردن پر اس کے نشانات پڑ گئے اور کہنے لگا کہ محمد! اللہ کا جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم کرو، آنحضور اس کی طرف رخ کر کے مسکرانے لگے اور اسے نوازنے کا حکم دیا۔(متفق علیہ، ریاض الصالحین /250)

غور کا مقام ہے کہ ایک معمولی شخص آپ کے ساتھ بدکلامی کرتا ہے، نہایت غلط طریقہ سے پیش آتا ہے لیکن آپ کے چہرے پر کوئی شکن نہیں، ڈانٹ اور پھٹکار اور غصہ کے اظہار کے بجائے، خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال اور طیش دلانے والے طرز عمل پر مسکراہٹ ، قربان جاؤں اس اخلاق و کردار پر۔

بدلہ اور انتقام تو بہت دور کی بات ہے، کسی دشمن کے لیے بددعا کرنا بھی آپ کو گوارانہ تھا، ایک مرتبہ بعض صحابہ کرام نے مشرکین کے لیے بددعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، لعنت کرنے کے لیے نہیں۔(صحیح مسلم، المغنی /394)

تواضع اور سادگی

آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مقام نبوت ورسالت پر فائز ہیں، پورا جزیرۃ العرب آپ

کے قدموں میں ہے لیکن آپ کی سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود ہی جھاڑو لگالیتے ، بازار سے سوداسلف لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو اسے خود ہی سی لیتے، اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور فرماتے کہ جس طرح غلام کھانا کھاتا ہے میں بھی اسی طرح کھاتا ہوں اور بیٹھتا ہوں، لوگ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تو منع کر دیتے۔

اگر کوئی نوکرانی بھی سر راہ اپنے کام کے لیے آپ کو روکتی تو رک جاتے، بچے ملتے تو انھیں پہلے خود سلام کرتے، صحابہ کرام کے ساتھ اس طرح سے گھلے ملے رہتے کہ نووارد کو آپ کو پہچاننے میں دشواری ہوتی۔(دیکھئے احیاء العلوم 2/412)

بستر بچھا ہوا ملا تو بھی ٹھیک ہے اور بستر نہیں ہے تو زمین پر لیٹنے میں بھی کوئی عار نہیں ہے۔(حوالہ مذکور 2/395)، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے میں تکلف کو پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ جو ملا کھالیا اور جو میسر ہوا اسے پہن لیا۔

تواضع ہی کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ اپنے لیے جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے اچھے شخص کے فرزند

ہیں، آپ نے فرمایا کہ لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھسلا دے، میں عبد اللہ کا بیٹا اور اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے جو مرتبہ بخشا ہے مجھے پسند نہیں ہے کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔(مسند احمد 3/153)

ایک مرتبہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ کا دامن جھٹک کر بولا کہ میرا ایک کام رہ گیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اسے بھول جاؤں، پہلے اسے کر کے پھر نماز پڑھو۔ آپ فوراً اس کے ساتھ مسجد سے نکل کر آ گئے اور اس کا کام پورا کر دیا۔(ابو داؤد، کتاب الادب)

اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ جا کر ان کا کام کر دینے میں آپ کو کوئی عار نہ تھا۔(سنن دارمی)

ایثار و قربانی

ایثار و قربانی بھی آنحضور ﷺ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ خود بھوکے رہتے لیکن دوسروں کو آسودہ رکھنے کی کوشش کر دیتے، خود تکلیف اٹھاتے اور دوسروں کو راحت پہنچاتے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے شادی کی ، ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا، اللہ کے رسول کو معلوم ہوا فرمایا کہ

جاؤ عائشہ سے آٹا مانگ لاؤ، وہ گئے اور آٹا لے آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ کاشانۂ نبوت میں اس دن اس آٹے کے علاوہ شام کے کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔(مسند احمد 4/ 16141،655)

ایک بار حضرت علی نے درخواست کی کہ حضرت فاطمہ کے ہاتھ میں چکی پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے ہیں اور باہر سے پانی لانیکی وجہ سے کندھے پر گھٹے ہو گئے ہیں، مال غنیمت میں کچھ باندیاں ہاتھ آئیں ہیں اگر ان میں سے دو ایک مل جائیں تو نوازش ہو گی۔ آپ نے فرمایا کہ

اللہ کی قسم میں تمہیں نہیں دے سکتا، میں تمہیں کیسے دوں، حالانکہ صفہ کے لوگ بھوکے بیٹھے ہیں، میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، میں ان غلام اور باندیوں کو فروخت کر کے ان کے خرچ کا بندوبست کروں گا۔(مسند احمد 1/ 840،171)

آپ نے انعام کے موقع پر خود اور اپنے گھر والوں کو ہمیشہ دور رکھا، یہاں تک کہ ان کے لیے صدقہ و خیرات کو حرام قرار دیا، لیکن جب جان دینے اور قربانی کی بات آئی تو خود آگے بڑھتے اور اپنے گھر اور خاندان والوں کو آگے بڑھاتے۔

سخاوت وفیاضی

حضرت عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپ کی فیاضی اور بڑھ جاتی تھی (متفق علیہ)۔ اور حضرت علی کا بیان ہے کہ آپ کا ہاتھ سب سے زیادہ فیاض، آپ کا سینہ سب سے زیادہ کشادہ تھا، زبان کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچے اور عہد کے سب سے زیادہ پابند تھے۔(ترمذی، المغنی 2/410)

آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا(متفق علیہ، المغنی 2/410)، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، البتہ میرے نام سے خرید کر اپنی ضرورت پوری کرلو، جب ہمارے پاس کہیں سے آجائے گا تو اسے ادا کردیں گے، حضرت عمر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف نہیں بنایا ہے جو آپ کے بس میں نہ ہو، ان کی بات آپ کو پسند نہیں آئی، ایک دوسرے صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! خرچ کیجئے اور عرش والے سے تنگ دستی کا اندیشہ نہ کیجئے، یہ سن کر آپ مسکرانے لگے اور آپ کا چہرہ کھل اٹھا۔(ترمذی فی الشمائل، المغنی / 411)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ابوذر! اگر میرے لئے "احد" پہاڑ سونا بن جائے تو میں کبھی یہ گوارا نہیں کروں گا کہ تین دن تک میرے گھر میں ایک دینار بھی بچ جائے۔(بخاری کتاب الاستقراض باب اداء الدیون)

غزوۂ حنین سے واپسی کے موقع پر بدوؤں کی بھیڑ لگ گئی، جو آپ سے مال غنیمت مانگ رہے تھے، آپ نے ان کی بھیڑ سے الگ ہو کر ایک درخت کے سائے میں جانے کی کوشش کی، انھوں نے آپ کی چادر پکڑ لی، آپ نے فرمایا کہ میری چادر واپس کر دو، اللہ کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے بقدر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو میں سب تمہیں دے دیتا اور تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔(بخاری، باب الشجاعۃ فی الحرب)

شجاعت

حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول سے زیادہ کسی کو نڈر، سخی، بہادر، روشن اور صاف ستھرا نہیں دیکھا۔(سنن دارمی 1/ 44،59)

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شجاعت بھی آپ کی سخاوت کی طرح پورے عرب میں

تسلیم شدہ تھی، کبھی بھی دشمن کا خوف آپ کے دل میں جاگزیں نہیں ہوا، مکہ میں جہاں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا، آپ رات کے اندھیرے میں بھی بلاخوف وخطر باہر نکلتے تھے اور ہجرت کے موقع پر تمام لوگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد رخت سفر باندھا اور جب مشرکین آپ کو تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانے پر آگئے اس وقت بھی آپ ذرہ برابر خائف نہیں ہوئے۔

غزوات میں آپ ﷺ سب سے آگے رہا کرتے تھے، حضرت علی کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر جب جنگ زوروں پر تھی تو ہم نے آپ کے سایہ میں آکر پناہ لی، مشرکین کی صف سے اس دن آپ سے زیادہ قریب کوئی اور نہ تھا، اس موقع پر آپ نے سب سے زیادہ سخت لڑائی کا مظاہرہ کیا۔(رواہ ابوالشیخ باسناد جید، المغنی 2/ 41)

اسی طرح سے جنگ احد میں جب ساری فوج دشمنوں کے نرغے میں آچکی تھی، آپ نے حد درجہ شجاعت اور بہادری سے آواز دے کر سب کو یکجا کیا۔

غزوۂ حنین میں تیراندازی کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک تعداد پیچھے

ہٹ گئی لیکن آپ برابر آگے بڑھتے رہے، چنانچہ حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ اس موقع پر دوسرے لوگوں نے پسپائی اختیار کی تھی لیکن میں گواہی دیتاہوں کہ نبی ﷺ نے پشت نہیں پھیری،جب میدان کارزار گرم ہوتاتو ہم آپ ﷺ کے پہلو میں پناہ لیتے اور ہم میں سب سے بہادر وہ سمجھاجاتا جو جنگ کے موقع پر آپ کے آس پاس رہتا کیونکہ آپ دشمن کے بالکل قریب رہتے، اس لیے آپ کے ساتھ رہنے والے کو بھی دشمن کے قریب رہنا پڑتا۔(صحیح مسلم ونسائی، المغنی 2/411)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے، ایک مرتبہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگئے، لوگ مقابلے کے لیے تیاری کرنے لگے مگر سب سے پہلے آنحضور ﷺ نکلے اور گشت لگاکر واپس آگئے اور لوگوں کو تسلی دی کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔(بخاری کتاب الجہاد)

حرف آخر

فضائل سے آراستہ ہونے اور رذائل سے بیزار رہنے کا نام حسن اخلاق ہے، خوبیوں کو اختیار کرنے اور خامیوں سے دور رہنے میں اس طرح سے رسوخ حاصل ہو جائے کہ خود بخود اس سے اچھے افعال سرزد ہوں اور وہ

برے افعال سے کنارہ کش رہے تو ایسے شخص کو خوب سیرت اور بااخلاق کہا جائے گا، محض وقتی اور ہنگامی طور پر کسی اچھائی کے کر گزرنے کا نام حسن اخلاق نہیں ہے۔(دیکھئے احیاء علوم الدین 3/58)حسن اخلاق کی اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن حکیم کی اس آیت پر غور کرنا چاہئے کہ

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۴)

تم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔

یعنی آپ ﷺ کے اخلاق محض ہنگامی اور عارضی نہیں تھے،
یا کسی جوش اور جذبے کا نتیجہ نہیں تھے
بلکہ یہ آپ کی فطرت اور عادت بن چکی تھی،
یہ آپ کی مستقل اور دائمی کیفیت تھی،
اور کوئی ایسی اخلاقی خوبی نہ تھی جس پر آپ سختی کے ساتھ کاربند نہ ہوں،
شمار کرنے والا انھیں کہاں تک شمار کرے،
اخلاق کی پاکیزگی، نزول قرآن کا بنیادی مقصد اور مخصوص موضوع

ہے اور خود آپ کی بعثت بھی اسی غرض کے لیے ہوئی تھی، اس لیے آپ کے اخلاق کے تعارف میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہو سکتی ہے کہ آپ قرآن کا کامل عملی نمونہ تھے۔

اللہ کریم ہمیں رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت میں جینا مرنا نصیب فرمائے اور قرآن کریم کی تلاوت عشق رسول میں ڈوب کر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راشد علی عطاری مدنی

ڈائریکٹر: ھادی ریسرچ انسٹیٹیوٹ انٹرنیشنل

(برانچز: پاکستان، انگلینڈ، ہندوستان)

https://wa.me/923208324094

کتاب کے ساتھ ملنے والے 50 تحقیقی کورسز کی فہرست

(1). مصنف و محقق بننے والوں کے لیے سیکھنے کی 56 اہم باتیں

(2). اصناف و اسالیب تحریر کورس

(3). لکھنے سے پہلے سیکھنے والے 20 اہم کام

(4). مضمون نویسی و تخریج کورس

(5). مائیکروسافٹ ورڈ کورس (کمپوزنگ سے پرنٹنگ تک تمام مراحل)

(6). المکتبۃ الشاملۃ (کمپیوٹر اینڈ موبائل، مکمل انسٹالیشن و استعمال)

(7). "المکتبۃ الشاملۃ سے تحریر و تصنیف کے آئیڈیاز"

(8). "تحریر و تصنیف کی منصوبہ بندی"

(9). فن تخریج حدیث (حدیث تلاش کرنے کے 12 پروفیشنل طریقے)

(10). تحریر و تصنیف میں معاون ٹیکنالوجی کورس

(11). سیرت نگاری کے میدانات و رجحانات اور سیرت کے 600 عنوانات مع خاکہ

(12). اربعین نویسی کورس (150 سے زائد اربعینات مرتب کرنے کا آسان طریقہ)

(13). کتابوں، پی ڈی ایف، مخطوطہ جات اور یونیکوڈ کی تلاش

(14). فن حاشیہ نگاری و تحقیق و تخریج کورس (ایک کتاب کی تخریج کا پریکٹیکل)

(15). مقالہ نگاری کورس (انتخابِ عنوان سے تکمیل مقالہ تک کی تفصیلی تربیت)

(16). تیس روزہ فہم و تدبر قرآن پریکٹیکل کورس

(17). فہم و تدبر حدیث کورس

(18). فنّ اشاریہ سازی کورس مع اشاریہ بنانے کی تفصیلی تربیت

(19). تحقیق و تصنیف میں معاون ضروری انسٹالیشن

(20). اہل مدارس کی مستقبل کی پلاننگ

(21). درسِ قرآن کیسے اور کہاں سے دیں؟ 13 طریقے مع مواد

(22). فنّ تخلیق موضوع

(23). مضمون / کتاب کیسے لکھیں؟

(24). فنّ کتابیات

(25). مختلف علوم و فنون میں کتابیں لکھنے کے منصوبے

(26). علمی و تکنیکی نشست

(27). مقالات و مضامین کی خاکہ سازی (ابواب و فصول بنانا)

(28). مصادرِ علومِ اسلامیہ

(29). علومِ اسلامیہ میں مضمون نگاری

(30). "مطالعہ" کے مفید طریقے اور اہداف مع تحقیقی منصوبے

(31). بلاگنگ اینڈ آرٹیکل رائٹنگ کورس

(32). موبائل میں تحقیق وتصنیف کیسے کریں؟

(33). موسوعات وانسائیکلوپیڈیاز، تعارف اور بنانے کے طریقے

(34). تحریری کاموں پر فری مشاورتی نشست

(35). رائٹنگ پلاننگ کورس

(36). مادرِ علمی سے رخصتی اور ہمارے اہداف

(37). فن اختصار سازی اور اس کے 125 اہم منصوبے مع پریکٹیکل ٹریننگ

(38). مادرِ علمی سے رخصتی اور ہمارے اہداف

(39). درسِ سیرت کیسے دیں؟ مع سیرت نگاری وقت کی اہم ضرورت

(40). فقہ حنفی تعارف ودفاعِ امامِ اعظم (موسوعات، کتابیات اور اہم منصوبے)

(41). مبادیاتِ سیرت مع سیرت نگاری کا آغاز وارتقاء

(42). "مصادر سیرت کورس"

(43). "فن تخلیق عنوانات سیرت کورس"

(44). "عقیدہ ختم نبوت اور تحقیقی منصوبے"

(45). "مطالعہ سیرت کے لیے معاون کتب"

(46). "کتابیات سیرت کورس"

(47). "مقاصد تصانیف مع 1521 مجوزہ عنواناتِ سیرت"

(48). "کتب و مقالاتِ سیرت کا حصول"

(49). "تحقیق و تصنیف کیسے سیکھیں؟"

(50). "مناہج تحقیق کی آسان تفہیم"